اردو کیونکر پیدا ہوئی؟

حضرت مولانا سید سلیمان ؒ

ہندوستان کی ادبی تاریخ کا حال جب سے ہم کو معلوم ہے، یہ نظر آتا ہے کہ اس ملک میں کبھی ایک بولی نہیں بولی گئی، در حقیقت یہ ملک ایک براعظم ہے، جس میں ہر زمانہ میں مختلف قومیں اور مختلف نسلیں جو مختلف بولیاں بولتی تھیں، آباد تھیں، آباد ہیں اور آباد رہیں گی، دنیا کی زبانوں کی تین مشہور اصلیں آریائی، تورانی اور سامی تینوں یہاں دوش بدوش ملی جلی ملتی ہیں، ڈریویڈی زبانوں کی اصلیت تورانی بتائی جاتی ہے، صوبوں کی دوسری زبانیں آریائی میں اور عربی کی شمولیت سامی اثر کا نتیجہ ہے۔

چند مشہور راجاؤں کے زمانوں کو چھوڑ کر جو ملک کے اکثر حصوں پر حکمراں رہے، ہندوستان کا اکثر یہی حال رہا کہ اس کے مختلف صوبے، مختلف ریاستوں کی صورت میں رہے، ان صوبوں کی وسعت، رعایہ کی قوت اور فتوحات کے دائرہ کی کمی بیشی کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، ہر ریاست کی زبان اس کے صوبہ کی مقامی زبان تھی اور وہی گویا سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی تھی، اب جس قدر اس ریاست کا دائرہ ہوتا اسی حد تک اس زبان کا جغرافی دائرہ کبھی گھٹ اور کبھی بڑھ جاتا، مثلاً: دیکھئے کہ اودھ کی بولی، برج کی بھشا، مگدھ کی مگدھی، اطراف دہلی کی ہریانی، یہ چاروں ہمسایہ ہیں، مگر ان کی حدیں اپنی سلطنتوں کی حدوں سے وابستہ نظر آتی ہیں، مگدھ (بہار) کی بودھ سلطنت جس کا دارالسلطنت پاٹلی پتر (پٹنہ) تھا، جب ہندوستان پر چھا گئی تو اس کی زبان بھی ہندوستان کی عام سرکاری زبان بن گئی اور آج اسی مگدھ کی پالی زبان کے کتبے پشاور سے لے کر مہاراشٹر کے کناروں تک ملتے ہیں۔

ہندوستان میں سندھ سے لے کر گجرات تک کا علاقہ ہمیشہ ایرانیوں اور عربوں کے جہازوں کا گزرگاہ رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جہازیوں کے ساتھ ساتھ ان کی زبانوں کے اثرات بھی خاموشی کے ساتھ پھیلے رہتے تھے، خصوصاً سندھ وہ صوبہ تھا جو اکثر ایران کی سلطنت کا جز بنتا اور خلیج فارس کے تمدن سے متاثر ہوتا رہا، سندھ کی آثار قدیمہ کی موجودہ تحقیقات اس نظریہ کی صداقت کو روز بروز آشکارا کرتی جارہی ہیں۔

بہر حال آریائی زبان کی دوسری شاخ ایرانی یا فارسی کا اثر سندھ سے لے کر گجرات تک وسیع تھا، اس کے بعد پہلی صدی ہجری کے خاتمے کے قریب ساتویں صدی عیسوی میں فارس کی فتح کے بعد عربوں نے بھی ایرانی سلطنت کے جانشین کی حیثیت سے سندھ پر قبضہ کیا اور ان کے جہازات خلیج فارس کے ابلہ، سیراف اور بصرہ نامی بندرگاہوں سے نکل کر سندھ، گجرات اور ملیبار ہو کر چین تک جانے لگے، ان جہازوں کے چلانے والے، فارسی اور عربی بولتے تھے، اس کا اثر ہونا چاہئے تھا کہ ہندوستان کے جن بندرگاہوں سے یہ گزرتے ہوں، وہاں ان کی زبانوں کے کچھ الفاظ مستعمل ہو جائیں اور وہاں کی مقامی زبانوں کے کچھ لفظ ان جہازیوں کی زبانوں پر چڑھ جائیں، چنانچہ اس کی مثالیں عرب سیاحوں اور ملاحوں کی زبانوں میں ملتی ہیں، چنانچہ آج بھی ہندوستانی جہازوں کے ذریعے ہندوستانی زبان، افریقہ، عرب، عراق اور مصر کے بندرگاہوں تک گئی ہے اور خود مجھے عدن، جدہ، پورٹ سعید، مصوع اور پورٹ سوڈان میں ہندوستانی بولنے والے ملاح اور دکاندار ملے۔

اس موقع پر ہمارے سامنے سب سے پہلا بیان ایک ملے جلے ایرانی عرب جہازراں بزرگ بن شہریار کا ہے، وہ کہتا ہے کہ مجھ سے ایک عرب جہازراں ابو محمد حسن نے بیان کیا کہ

''میں ۲۸۸ھ ۹۰۰ء میں منصورہ (بھکر) میں تھا، وہاں مجھ سے مستند بزرگوں نے یہ بیان کیا کہ الرا (رور) کے راجہ نے جو ہندوستان کا بڑا راجہ تھا اور جس کی حکومت کشمیر بالا اور کشمیر زیریں کے بیچ میں تھی اور جس کا نام مہروگ بن رائق تھا، ۲۷۰ھ میں منصورہ کے بادشاہ عبداللہ کو لکھا کہ وہ اسلام کی شریعت کا کچھ حال اس کو بتائے تو عبداللہ نے منصورہ میں ایک عراقی کو پایا جو بہت تیز طبع اور خوش فہم تھا اور شاعر تھا اور جس نے ہندوستانیوں میں نشو ونما پائی تھی اور جو اہل ہند کی مختلف زبانوں سے واقف تھا، اس نے ایک قصیدہ لکھ کر راجہ کو بھیجا، راجہ نے اس کو بلا بھیجا اور اس کے حکم سے اس نے قرآن کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا''۔

(عجائب الہند، بزرگ بن شہریار، ۳۷۲، پیرس)

اس اقتباس سے ظاہر ہوگا کہ ہندوستان کے سواحل میں بھی بہت سی مختلف زبانیں تھیں اور وہ لوگ جن کی اصل زبان فارسی اور عربی تھی، وہ یہاں کی زبانوں کو سیکھتے اور بولتے تھے اور ان میں یہ لیاقت رکھتے تھے کہ وہ ان میں شاعری کر سکتے تھے اور قرآن پاک جیسی کتاب کا ترجمہ کر سکتے تھے۔ یہ ہندوستانی اور اسلامی زبانوں کے باہمی اختلاط اور میل جول کے امکان کا پہلا واقعہ ہے جو سفرناموں اور تاریخوں میں مذکور ہے، اس واقعہ کا زمانہ ۲۷۰ھ یعنی ۸۸۳ء ہے اور آج سے قریباً ایک ہزار اسی سال پہلے کی بات ہے۔

اس کے ۳۳ برس کے بعد ۳۰۳ھ میں مسعودی ہندوستان آیا ہے، جو ہندوستان کا ابتدائی حال اس طرح لکھتا ہے:

''اس کے بعد ہند کے لوگوں کے خیالات مختلف ہو گئے اور مختلف گروہ پیدا ہو گئے اور رئیس نے اپنی ریاست

الگ کرلی تو سندھ پر ایک راجہ بنا اور قنوج پر دوسرا راجہ ہوا اور کشمیر میں تیسرا راجہ تھا اور مانگیر (مانکھیڑ) پر جو بڑا علاقہ ہے (گجرات کاٹھیاواڑ) بلہرا (ولبھرائے) کی حکومت ہوئی، اور اب تک ہمارے زمانہ تک جو ۳۳۲ھ ہے، راجہ اسی لقب سے ملقب ہے اور ہند کی زمین بہت وسیع ہے، خشکی، پہاڑ اور دریا میں پھیلی ہے، ان کا ملک ایک طرف زابج (جاوہ) سے ملتا ہے، جو جزیروں کے بادشاہ "مہراج" کا دارالمملکت ہے اور یہ ملک ہندوستان اور چین کے درمیان حد فاصل ہے، لیکن ہندوستان کی طرف منسوب ہے اور دوسری طرف کوہستان سے متصل خراسان اور سندھ اور تبت تک ہے، اور ان ہندوستانی ریاستوں میں باہم اختلاف اور لڑائیاں ہیں اور ان کی زبانیں الگ الگ ہیں اور ان کے مذہبی خیالات مختلف ہیں، زیادہ تر لوگ تناسخ اور آواگون کے قائل ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے۔" (مروج الذہب مسعودی: ۱/۱۶۲، پیرس)

اس کے بعد یہی سیاح سندھ کے حال میں لکھتا ہے:

"اور سندھ کی زبان ہندوستان کی زبان سے الگ ہے..... اور مانگیر (مانکھیڑ) کی زبان جو بلہرا (ولبھ رائے) کا دارالسلطنت ہے اور اس کے ساحلی شہروں جیسے چیمور، سوبارہ اور تھانہ (موجودہ بمبئی کے پاس) کی زبان لاری ہے۔" (ایضاً صفحہ ۳۸۱)

یہ سندھ، گجرات، کاٹھیاواڑ اور کوکن کی زبانوں کی نسبت قدیم عربی شہادت ہے، اس کے بعد بغدادی سیاح اصطخری کا زمانہ ہے جو ۳۴۰ھ میں آیا تھا، وہ کہتا ہے:

"منصورہ (موجودہ بھکر واقع سندھ) اور ملتان اور ان کے اطراف کی زبان عربی اور سندھی ہے اور مکران والوں کی زبان فارسی اور مکرانی ہے۔" (سفرنامہ اصطخری ۱۷۷، لائیڈن)

بعینہ یہی الفاظ ابن حوقل کے سفرنامہ میں ملتے ہیں، اس کا زمانہ ۳۳۱ھ سے ۳۵۸ھ تک ہے، وہ کہتا ہے:

"منصورہ (بھکر) اور ملتان اور اس کے اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے"۔ (سفرنامہ ابن حوقل: ۳۲۰، لائیڈن)

۳۷۵ھ ۹۸۵ء میں بشاری مقدسی ہندوستان آتا ہے، وہ ملتان کے حال میں لکھتا ہے:

"اور فارسی زبان سمجھی جاتی ہے"۔ (سفرنامہ بشاری معروف بہ احسن التقاسیم: ۴۸۱، لائیڈن)

پھر دیبل یعنی ٹھٹھہ کی بندرگاہ کے حال میں لکھتا ہے:

"دیبل (ٹھٹھہ) سمندر کے ساحل پر ہے، اس کے چاروں طرف سوگانوں کے قریب ہیں، اکثر غیر مسلم ہندو (کفار) ہیں، سمندر کا پانی شہر کی دیواروں سے آکر لگتا ہے۔ سب سوداگر ہیں، ان کی زبان سندھی اور عربی ہے"۔ (سفرنامہ بشاری ۴۷۹)

ابن ندیم بغدادی جس نے اپنی الفہرست ۳۷۷ھ میں ترتیب دی ہے، سندھ کی زبانوں کی نسبت جس کی وسعت

میں اس کے نزدیک ہندوستان بھی داخل ہے، یہ لکھتا ہے:

''یہ لوگ مختلف زبانوں اور مختلف مذہب والے ہیں اور ان کے لکھنے کے کئی خط ہیں۔ مجھ سے ایک ایسے شخص نے جو ان کے ایک شہر میں گھوما پھرا تھا، کہا تھا کہ ان کے ہاں دو سو خط کے قریب مستعمل ہیں، میں نے (بغداد کے) قصر حکومت میں ایک بت دیکھا تھا جس کی نسبت مجھ سے کہا گیا کہ یہ بودھ کی مورت ہے..... اس کے نیچے اس طرح لکھا ہوا تھا۔'' (کتاب الفہرست، مطبوعہ مصر صفحہ ۲۴)

اب وہ زمانہ آیا، جب سلطان محمود کا باپ سبکتگین اپنی نئی سلطنت کا پتلا بنا کر کھڑا کر رہا تھا، اب ہندوستان کی بولیوں میں عربی و فارسی کے بعد ترکی کے میل کا وقت آیا، اس وقت پشاور اور پنجاب اور غزنی میں صلح اور لڑائی کے تعلقات قائم تھے، آمد و رفت، لڑائی بھڑائی، اور صلح و پیام کے لئے دونوں قوموں کی زبانوں میں اختلاط کا موقع آ گیا تھا، اس وقت لڑائیوں کے ہزاروں ہندو قیدی اور نوکری پیشہ ہندو سپاہی، افغانستان و ترکستان میں گھر گھر پھیلے تھے، امیر سبکتگین کی فوج میں دوسری قوموں کے ساتھ ہندو بھی داخل تھے۔

''و شکر خواستن گرفت و بسیار مردم جمع شد، از ہندو خلج و از ہر دستی''۔ (تاریخ بیہقی: ۲۴۴، ۵۰۴، کلکتہ)

سلطان محمود کے دربار میں ہندی کا مترجم ''تلک نام'' ایک ہندو تھا جو بچپن میں شیراز پہنچ گیا تھا اور فارسی سیکھ لی تھی اور ہندوؤں کے ساتھ نام و پیام اور مراسلت کی خدمت اس کے سپرد تھی۔

''خطے نیکو بہ ہندوی و فارسی و مدتے دراز کشمیر رفتہ بود و شاگردی کردہ ..... دا دبیری و مترجمی کردے باہندوان۔'' (ایضاً صفحہ ۵۰۳)

ابوالفضل بیہقی اپنی تاریخ آل سبکتگین میں اپنے زمانہ یعنی سلطان مسعود (۴۲۱ھ ۴۳۳ھ) کے عہد میں اسی قسم کے ایک اور ہندو مترجم ''بیربل'' کا ذکر کرتا ہے جس کا تعلق ان کے دفتر انشا سے تھا۔

''ہم چناں بیربل بدیوان۔'' (تاریخ بیہقی صفحہ ۵۰۳)

سلطان محمود کے دربار میں جہاں عرب و عجم کے اہل علم تھے، وہاں ہندوستان کے اہل علم بھی شریک بزم رہتے تھے، کالنجر کے راجہ نندا نے ۴۱۳ھ میں جب سلطان کی شان میں ہندی شعر لکھ کر بھیجا، اس موقع پر فرشتہ میں ہے:

''وندار بزبان ہندی در مدح سلطان شعرے گفتہ نزد او فرستاد، سلطان آں را بفضلائے ہند و عرب و عجم کہ در ملازمت او بودند نمودہ ہمگی تحسین و آفریں کردند۔'' (مطبوعہ نولکشور: ۱/۳۱)

یہ وہ زمانہ ہے جب لاہور بھی فتح نہیں ہوا تھا، اس زمانہ میں بھی سلطان کے دربار میں عرب و عجم اور ہند کے فضلاء پہلو بہ پہلو بیٹھے تھے اور سب اتنا در خور رکھتے تھے کہ ہندی شعر کو سمجھیں اور مزا لیں۔

غزنوی بادشاہوں کے زمانہ میں جب پنجاب غزنی کا صوبہ تھا ہزاروں لاکھوں مسلمان جن کی زبان فارسی تھی، پنجاب

میں بس گئے تھے، ظاہر ہے کہ ان میں اور عام اہل ہند میں بول چال اس طرح ہوتی ہوگی کہ وہ ہندی ملی ہوئی فارسی اور یہ فارسی ملی ہوئی ہندی بولتے ہوں، اور چند روز میں یہ کیفیت ہوگئی کہ مسلمان ہندی میں یا فارسی آمیز ہندی میں شاعری کرنے لگے، چنانچہ اس عہد کے مشہور شاعر مسعود سعد سلیمان المتوفی ۵۱۵ھ نے جو لاہور میں پیدا ہوا تھا اور لاہور ہی میں رہتا تھا، ایک دیوان عربی کا ایک فارسی کا اور ایک ہندی کا یادگار چھوڑا۔ (لباب الالباب عوفی: ۲/۲۴۶) یہ شوق روز بروز ترقی کرتا گیا یہاں تک کہ ایک ترک خاندان جو دہلی میں رہ پڑا تھا، اس میں امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ھ) جیسا ہمہ داں شاعر پیدا ہوا، جس نے عربی فارسی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ بھی اور تینوں زبانوں کے مصرعوں یا لفظوں کو ملا کر بھی شاعری کی، چنانچہ انہوں نے خود اپنے دیوان "غرۃ الکمال" کے خاتمہ میں اس پر فخر کیا ہے۔

امیر خسرو نے اپنی مثنوی "نہ سپہر" میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی حسب ذیل بولیوں کے نام لئے ہیں: سندھی، لاہوری، کشمیری، بنگالی، گوڑی (گوڑا بنگالہ کا ایک حصہ) گجراتی تلنگی، معبری (کرناٹکی جس کو کنٹری کہتے ہیں) دھو سمندری (دھور سمندر کا رومنڈل کا پایہ تخت تھا جو اس زمانہ میں نیا فتح ہوا تھا) اودھی اور دہلوی۔

یہی زبانیں تھوڑے تھوڑے فرق سے اب بھی موجود ہیں، امیر خسرو کے تین سو برس کے بعد اکبر کے زمانہ میں بھ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں یہی بولیاں رائج تھیں، ابوالفضل ہندوستان کی مستقل زبانوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے

"دہلوی، بنگالی، ملتانی، مارواڑی، گجراتی تلنگی، مرہٹی، کرناٹکی، سندھی، افغانی، شال (جو سندھ، کابل اور قندھار کے بیچ میں ہے) بلوچستان اور کشمیری"۔ (مطبوعہ نولکشور: ۱/۳۱)

اوپر کے اقتباسات سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک یہ کہ اس ملک میں ہر زمانہ میں صوبہ وار بولیاں بولی جاتی تھیں اور اس میں کوئی ایک عام اور مشترکہ بولی نہ تھی اور دوسری یہ کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قدرتی طور سے ایک زبان تیار ہو رہی تھی، ہندوستان میں اسلامی حکومتوں کے چھ سو برس قیام کے بعد بھی ملک میں زبانوں کے اختلاف کا یہی حال رہا کہ ایک صوبہ کا رہنے والا، دوسرے صوبہ کے رہنے والے سے بات چیت اور کاروبار کرنے سے عاجز تھا۔ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ایسا ملک جس میں کم از کم تیرہ مستقل زبانیں بولی جاتی ہوں، اس کو ایک مملکت، ایک حکومت اور ایک ملک کیونکر قرار دیا جاسکتا تھا اور ایسی مختلف بولیوں اور زبانوں والے ملک کے انتظام اور کاروبار کے لئے ایک متحدہ و مشترکہ زبان کی کتنی سخت ضرورت تھی، یہی بات تھی جس نے اس ملک میں ایک نئی بھاشا کو پیدا کیا اور اس کو ترقی دی۔

اسلامی عہد کی ادبی تاریخ کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخلوط زبان سندھ، گجرات، اودھ، دکن، پنجاب اور بنگال ہر جگہ کی صوبہ وار زبانوں سے مل کر ہر صوبہ میں الگ الگ پیدا ہوئی، جن میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کے قابل سندھی، گجراتی، دکھنی اور دہلوی ہیں، جن صوبوں کی بولیوں کو الگ وجود نہیں بخشا گیا، ان میں بھی یہ اب تک ماننا پڑتا ہے کہ ان کی دو قسمیں ہیں: ایک مسلمانی اور ایک خالص دیسی، چنانچہ بنگالی، مرہٹی، کنٹری تلنگی، ملیالم، ہر ایک میں مسلمانی

بولی خالص بولی سے الگ ہے، مسلمانی بنگالی، مسلمانی مرہٹی، مسلمانی تلنگی، خالص بنگالی، خالص مرہٹی اور خالص تلنگی سے الگ اور ممتاز ہے کہ امتیاز بھی ہے کہ مسلمان ان صوبہ دار بولیوں میں عربی و فارسی لفظوں کو ملا کر بولتے ہیں اور ان صوبوں کے اصل باشندے ان کو خالص اور بے میل بولتے ہیں۔

اب صورت یہ ہوئی کہ ہر صوبہ کی مقامی بولیوں میں مسلمانوں کی زبان کے الفاظ کا میل ہو کر ایک نئی بولی پیدا ہونے لگی، مسلمانوں اور ہندوؤں کا یہ میل جول جیسا کہ پہلے کہا گیا سب سے پہلے ملتان سے لے کر ٹھٹھہ تک سندھ میں اور پھر یہاں سے گجرات اور کاٹھیاواڑ تک ہوا ہوگا، اس میل جول سے جو زبان بنی اس کا پہلا نمونہ ہم کو ۷۶۲ھ میں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں سندھ میں ملتا ہے، سن مذکور میں سلطان ٹھٹھہ پر ناکام حملہ کر کے جب گجرات جاتا ہے تو ٹھٹھہ والوں نے اس کو اپنے شیخ کی کرامت سمجھ کر کہا: ''برکت شیخ تھیا، اک سوا، اک تہا۔'' یعنی یہ شیخ کی برکت تھی کہ ایک حملہ آور (سلطان محمد شاہ تغلق جس نے ۷۵۲ھ میں حملہ کیا تھا) مر گیا، اور دوسرا سلطان فیروز شاہ تغلق ناکام رہا۔

عبارت سے یہ آئینہ ہے کہ زمانہ (۷۶۲ھ) میں عربی، فارسی اور ہندوستانی بولیوں کا مجموعہ جس کو آج آپ ''اردو'' کہتے ہیں، پیدا ہو چکا تھا، ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس زبان کی پیدائش کی وجہ مختلف قوموں کا کاروباری اور تجارتی اختلاط اور میل جول تھا اور اسی ضرورت نے اس نئی زبان کو وجود بخشا تھا، اس زبان کی پیدائش کی اور پیدائش کی نہ سہی تو اس کے قیام، بقا اور ترقی کی وجہ، اس سے بھی بڑھ کر ناگزیر ایک اور ہے، مسلمان جب اس پورے ملک پر حکمراں ہوئے تو گو فارسی سرکاری زبان کی حیثیت سے ان کے ساتھ آئی تاہم ایک ایسی قوم کے لئے جس کا تعلق پورے ملک سے ہو، اس ملک میں کوئی ایک بھی متحدہ اور مشترکہ زبان موجود نہ تھی، لکھے پڑھے تو خیر آج کی انگریزی کی طرح کل کی فارسی سے کام چلا لیتے تھے، مگر ان پڑھ ناخواندہ اور عوام کے لئے ایک ایسی زبان کی سخت ضرورت تھی جو پورے ملک کی بول چال، آمد و رفت اور کاروبار میں کارآمد ہو اور بعینہ یہی ضرورت آج بھی موجود ہے۔

اردو نام:..... زبان اردو کی تاریخ کے متعلق میر امّن اور سرسید اور دوسرے پرانے بزرگوں نے جو بیان سنایا تھا، وہ اب پارینہ سمجھا جاتا ہے اور اب اس مضمون پر چند ایسی محققانہ کتابیں لکھی گئی ہیں جن سے اس زبان کی تاریخ کا دشوار گزار راستہ بہت کچھ صاف ہو گیا ہے اور اب اس کے وجود کا سراغ بہت دور تک لگایا جا چکا ہے اور آج سے پانچ سو برس پہلے کے فقرے جمع کئے گئے ہیں اور تیموری بادشاہوں سے بہت پہلے کی نظم و نثر کی کتابیں مہیا کی گئی ہیں اور اب چہار درویش کے مصنف میر امّن کے اس بیان کو لوگ صرف بزرگوں کی کہانی سمجھتے ہیں:

> ''حقیقت اردو زبان کی بزرگوں کی زبان سے یوں سنی ہے کہ دلی شہر ہندوؤں کے نزدیک چوجگی ہے، ان ہی کے راجہ پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکا بولتے تھے، ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا، سلطان محمود غزنوی آیا، پھر غوری اور بودی بادشاہ ہوئے، اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں نے ہندو

مسلمان کی آمیزش پائی، آخر امیر تیمور نے جن کے گھرانوں میں اب تک نام نہاد سلطنت کا چلا جاتا ہے، ہندوستان کو لیا، ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا، اس واسطے شہر کا بازار ''اردو'' کہلایا ..... جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدر دانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں جمع ہوئے، لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی، اکٹھے ہو۔ سے آپس میں لین دین، سودا سلف، سوال جواب کرتے، ایک زبان مقرر ہوئی، جب حضرت شاہجہاں صاحبقراں نے قلعہ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا..... تب سے شاہجہاں آباد مشہور ہوا اگرچہ دلی جدی ہے اور وہ پرانا شہر اور یہ نیا شہر کہلاتا ہے اور وہاں کے بازار کو اردوی معلّٰی خطاب دیا۔''

ان چند سطروں میں اردو کی جو تاریخ بیان کی گئی ہے وہ زمانہ اور اشخاص کے ناموں کو چھوڑ کر سرتاپا حقیقت ہے، یعنی کہ موجودہ معیاری اردو دہلوی زبان دوسری زبانوں سے مل کر بنی ہے، آج کل بعض فاضلوں نے ''پنجاب میں اردو'' او بعض اہل دکن نے ''دکن میں اردو'' اور بعض عزیزوں نے ''گجرات میں اردو'' کا نعرہ بلند کیا ہے، لیکن حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر ممتاز صوبہ کی مقامی بولی میں مسلمانوں کی آمد و رفت اور میل جول سے جو تغیرات ہوئے، ان کا نام ''اردو'' رکھ دیا گیا ہے، حالانکہ ان کا نام پنجابی، دکھنی یا گجراتی اور گوجری وغیرہ رکھنا چاہئے، جیسا کہ اس عہد کے لوگوں نے کہا ہے، یہ تغیرات جب ممتاز صوبوں میں ہو رہے تھے، تو خود پایۂ تخت دہلی میں تو اور زیادہ ہوتے۔

امیر خسرو اور ابوالفضل دونوں نے دہلوی زبان کا الگ نام لیا ہے، عہد شاہجہانی میں جب یہاں اردوئے معلّٰی بنا تو اس ''زبان دہلی'' کا نام ''زبان اردوئے معلّٰی'' پڑ گیا، چنانچہ لفظ اردو زبان کے معنی میں دہلی کے علاوہ کسی صوبہ کی زبان پر اطلاق نہیں پایا ہے، میر تقی میر کی تحریری سند میں جب اس کا نام پہلی دفعہ آیا ہے، تو اصطلاح کے طور پر نہیں بلکہ لغت کے طور پر آیا ہے، یعنی میر نے ''اردو زبان'' نہیں کہا، بلکہ ''اردو کی زبان'' کہا ہے۔

''ریختہ کہ شعرے ست بطور شعر فارسی زبان اردوئے معلّٰی بادشاہ ہندوستان'' (ذکر میر ۶۳) بادشاہ ہندوستان کے کیمپ یا پایۂ تخت کی زبان۔''

اس کے بعد عام استعمال میں زبان اردو کے بجائے خود زبان کا نام اردو پڑ گیا، اور پھر یہ اردوئے معلّٰی سے نکل کر ملک میں ہر جگہ اسی اصول پر پھیل گئی، جس اصول پر ہندوستان میں ہمیشہ راجدھانی کی بھاکا تمام حدود سلطنت میں پھیلتی رہی ہے۔

اس زبان کی اصلیت کیا ہے؟ ہم نے پچھلی سطروں میں اس کو بار بار ''نئی زبان'' کہا ہے، مگر کیا حقیقت میں اس کو نئی زبان کہنا چاہئے؟ ہم جس کو آج زبان اردوئے معلّٰی کہتے ہیں، حقیقت میں وہ دہلی اور اطراف دہلی کی وہ پرانی بولی ہے، جو وہاں پہلے سے بولی جارہی تھی اور جس میں زمانہ کے قاعدے کے مطابق انقلاب اتار چڑھاؤ ہو ہو کر لفظوں کی مناسب صورت بن گئی۔

ہر زبان تین قسم کے لفظوں سے بنتی ہے: اسم، فعل اور حرف، اس بولی میں جس کو اب اردو کہنے لگے ہیں، فعل جتنے ہیں وہ دہلوی ہندی کے ہیں، حرف جتنے ہیں، ایک دو کو چھوڑ کر وہ ہندی کے ہیں، البتہ اسم میں آدھے اسی ہندی کے اور آدھے عربی، فارسی اور ترکی کے لفظ ہیں اور بعد کو کچھ پرتگالی اور فرنگی کے وہ لفظ مل گئے ہیں، جن کے مسمی ان باہر کے ملکوں سے آئے ہیں، جیسے نیلام، پاؤ (روٹی) پادری، الماری وغیرہ۔

اس لئے اردو اور ہندی (وہ بھی دہلوی ہندی) میں صرف دو فرق ہیں:.....دہلوی ہندی تو اپنی جگہ پر رہ گئی، لیکن اسی ہندی میں اس وقت کے نئے ضروریات کے بہت سے عربی، فارسی اور ترکی کے وہ الفاظ آکر ملے، جن کے معنی اور مسمی ان ملکوں سے آئے تھے، دوسرا فرق یہ پیدا ہوا کہ وہ ہندی اپنے خط میں اور یہ اردو فارسی خط میں لکھی جانے لگی۔ رفتہ رفتہ ایک اور فرق بھی پیدا ہوا کہ پرانی ہندی کے بہت سے لفظ جو زبان پر بھاری اور ثقیل تھے زمانہ اور زبان کی فطری ترقی کے اصول کے مطابق ان میں ہلکا پن، خوبصورتی اور خوش آوازی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، اسی طرح عربی، فارسی اور ترکی کے لفظوں میں بھی اپنی طبیعت کے مطابق اس نے تبدیلیاں پیدا کیں۔

اردو نے ہندی کے لفظوں میں اس قسم کا جو تغیر کیا ہے، اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

ہندی	اردو	ہندی	اردو
گنڑ	گن	ویشاکھ	بیساکھ
براہمنڑ	برہمن	وچار	بچار
راونڑ	راون	کھشتری	کھتری
روا	بیاہ	منش	مانس (جیسے بھلا مانس)
جیشٹھ	جیٹھ	میگھ	مینھ
ورش	برس (سال)	ورشارت	برسات
پرنتو	پر (مگر)	دارتا	بات
اوچت	اچھا	ہتی	ہاتھی
سمبندھی	سدھی	بادر	بادل
جیو	جی	دودھ	دودھیا دود
شکتی	سکت	نا	نہ
رکھشا	رکھ	ناش	ناس (خواب)

پونچا	پہنچا	اگنی	آگ
کنتو	کیوں کہ	پورن	پورا
مائی	ماں	مورتی	سورت
سے	سماں	ست یا سانچ	سچ
دیش	دیس	کٹمب	کٹم (خاندان)
لکھشن	لچھن	اٹ	آٹا
پانیں	پانی	گھرت	گھی
دوہے	دہی	بھن بھن	بھانت بھانت

اب چونکہ پورا ملک ایک تھا اور ہمیشہ آمدورفت لگی رہتی تھی، اس لئے اس دہلوی ہندی میں سیکڑوں لفظ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی بولیوں سے آکر رفتہ رفتہ رل مل گئے، خصوصاً پنجابی اور دکھنی لفظوں کی آمیزش زیادہ ہوئی۔

کہیں یہ ہوا ہے کہ فارسی اور ہندی دونوں کے ہم ہستی، لفظوں کو ایک جگہ کرکے بولنا شروع کیا تاکہ دونوں زبانوں کے الگ الگ جاننے والے ایک لفظ سے دوسرے لفظ کے معنی کو سمجھ لیں، جیسے دھن دولت، رنگ روپ، ڈھنگ، خاک دھول، کاغذ پتر، سوٹا تازہ، ہنسی مذاق، ہنسی خوشی، بھائی اور رشتہ ناتا، داغ دھبا، دکھ درد، صاف ستھرا، ریت رسم، کبھی فارسی لفظ میں ذرا ہندی پن پیدا کردیتے ہیں، جیسے جن مجور یعنی مزدور، لونڈی باندی، (بندی، بندہ بمعنی غلام)

ان دونوں کو دو زبانوں کی جگہ ایک بھاشا بنانے کے لئے یہ چاہئے کہ دونوں کے لکھنے والے اپنی اپنی جگہ پر چند اصول سے ایک ساتھ بنالیں جن کو دونوں نباہ لے جائیں۔

☆......☆......☆

طلباء کی زندگی میں حیرت انگیز تبدیلی لانے کیلئے ترغیبی واقعات

راہِ علم کا مسافر
جیسے طالب علم
مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ

سکول کالج کے طلبا کیلئے بالعموم اور مدارس دینیہ کے طلبا و طالبات کیلئے بالخصوص زادِ راہ کتاب جو انہیں زمانہ طالب علمی کی اہمیت کو اجاگر کرکے اپنے وقت کو قیمتی بنانے کی دعوت دیتی ہے... اکابر کے زمانہ طالب علمی کے حیرت انگیز واقعات... جن کا مطالعہ آپ کو بھی ایک مثالی طالب علم بنا سکتا ہے... راہ علم کے مبارک سفر کے تمام نشیب وفراز سے متعلق اہم مضامین سے مزین ایک ایسی کتاب جو آپ کو حقیقی علم سے روشناس کرا کر عمل کیلئے بے چین کردے

یہ کتاب... اور ادارہ کی دیگر اصلاحی کتب... مدارس دینیہ میں تقسیم کرنے کیلئے... رعایت کے علاوہ ادارہ کی طرف سے خصوصی تعاون کیا جائیگا

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
0322-6180738 . 061-4519240